برنارڈ لویس

انگلستان اور عربی علوم و فنون -۳
(انیسویں صدی اور اس کے بعد)

اب تک ہم نے زیادہ تر انہیں لوگوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے خالص علمی نقطۂ نظر سے علوم عربیہ کی طرف توجہ کی اور محض عالمانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اب ہم ایک لمحہ کے لیے ان کے ذکر کو چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان تین انگریزوں کی زندگی پر سرسری نظر ڈالتے ہیں جنھیں دوسرے اسباب کی بنا پر عربی زبان اور عربی ممالک سے دلچسپی پیدا ہوئی اور جن کی زندگی کا ماحصل ان لوگوں کے کاموں سے مختلف نوعیّت کا تھا جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور اور مقدّم سر رچرڈ برٹن (Sir Richard Burton) تھا جو ۱۸۲۱ء سے ۱۸۹۰ء تک زندہ رہا۔ اس نے عربی کا مطالعہ آکسفورڈ کے قیام کے دوران ہی میں شروع کر دیا تھا لیکن تعلیم مکمل کرنے سے پہلے ہی اس نے یونیورسٹی چھوڑ دی اور برطانوی فوج میں ملازم ہو کر ہندوستان چلا گیا۔ وہاں کچھ عرصہ اس کا رہنا زیادہ تر ایسے ہی اضلاع میں ہوا جہاں مسلم آبادی زیادہ تھی۔ اس نے عربی، فارسی اور دوسری اسلامی زبانیں مسلمان استادوں سے سیکھیں۔ انگلستان واپس آنے پر اس نے چار کتابیں ہندوستان کے متعلق شائع کیں۔ ۱۸۵۳ء میں اس نے پہلی بار مصر کا سفر کیا۔ وہ اونٹ پر سوار ہو کر قاہرہ سے سویز روانہ ہوا اور حوادث و خطرات سے گزرتا ہوا سویز پہنچ کر حج کے ایک جہاز پر بیٹھ گیا جو ینبوع جا رہا تھا۔ ینبوع سے حجاز کا سفر کر کے مدینہ منوّرہ اور مکہ معظّمہ پہنچا۔ پھر جدّہ اور مصر کے راستہ سے انگلستان واپس آ گیا۔ یہاں اس نے تین جلدوں میں اپنا سفر نامہ شائع کیا۔ یہ کتاب کئی بار شائع ہوئی اور آج بھی ان ممالک کے بارے میں جن کے حالات اُس نے اس کتاب میں بیان کیے ہیں معلومات حاصل کرنے کے ایک وسیلہ کے طور پر بہت قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ سالہا سال سیر و سیاحت کرتا رہا۔

ایک بار اس نے تحقیق و اکتشاف کی غرض سے عرب تاجر کے بھیس میں مشرقی افریقہ اور حبش کے ویران علاقوں کا سفر اختیار کیا اور ان علاقوں کے بارے میں جن کے متعلق لوگوں کو بہت کم واقفیت تھی، وہ بیش بہا معلومات لے کر واپس آیا۔ اس کے بعد اس نے اسی غرض سے وسطی اور مغربی افریقہ کے علاوہ شمالی اور جنوبی امریکہ اور دوسرے ممالک کے غیر معروف علاقوں کے سفر کیے۔ ۱۸۵۵ء میں ہم اسے جنگِ کریمیا میں انگریزی افواج کے ساتھ پاتے ہیں۔ ۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۱ء تک وہ

دمشق میں رہا اور اسی اثناء میں اس نے اپنی بیوی اور ایڈورڈ ہنری پامر (Edward Henry Palmer) کے ساتھ ملک شام کی سیاحت کی۔ اس نے اور اس کی بیوی نے اس ملک کے حالات علیحدہ علیحدہ شائع کیے۔ چھ سال بعد وہ پھر دوبارہ مصر آیا اور اس نے ان مقامات کا جو اس وقت تک نسبتاً ویران حالت میں تھے، طبقاتی جائزہ لیا۔

اس طرح اس کی زندگی مسلسل خطروں اور مہموں میں بسر ہوئی اور اس کا بیشتر حصّہ دنیا کے دور افتادہ گوشوں کی سیاحت اور تحقیق واکتشاف میں صرف ہوا۔ تاہم وہ بہت سی کتابوں کو شائع کرنے کا وقت نکال سکا۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ باقی کتابوں میں سے ایک الف لیلہ کا مکمل ترجمہ ہے جو یورپی تراجم میں اس حیثیت سے منفرد ہے کہ اس میں اصل کی پوری پوری مطابقت کا اس درجہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ ترجمہ اسی بناء پر اس کے محتاط معاصرین میں کسی حد تک چہ میگوئیوں کا باعث ہوا۔

مشرقِ قریب کا دوسرا انگریز سیاح ولفریڈ اسکیون بلنٹ (Wilferd Scawen Blunt) تھا جو ۱۸۴۰ء سے ۱۹۲۲ء تک زندہ رہا۔ اس نے اپنی زندگی ایک سیاست کار (Diplomat) کی حیثیت سے شروع کی۔ اسے بچپن ہی سے دنیا کی مظلوم قوموں سے فطری ہمدردی تھی اور اس نے اپنی تمام زندگی ان کے حقوق کی حمایت کے لیے وقف کر دی۔ اسے ہندوستان، آئرستان اور مصر سے خاص دلچسپی تھی۔ وہ بڑا سیّاح تھا، اس نے متعدّد ملکوں کی سیاحت کی۔ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ مشرقِ قریب اور شمالی افریقہ کے عرب ممالک کی سیر کی۔ ۱۸۷۸ء میں اس نے نجد کا سفر کیا۔ امیرِ نجد کی طرف سے حائل میں ان سیاحوں کا پُرتپاک استقبال کیا گیا اور بہترین نسل کے عرب گھوڑے ہدیتہً پیش کیے گئے۔ بغداد تک ان کے راستے کی حفاظت کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ ہندوستان اور مصر کی سیاحت کے دوران میں وہاں کے قومی رہنماؤں سے اس کے گہرے تعلقات ہو گئے، چنانچہ جمال الدین افغانی اور عرابی پاشا دونوں اس سے اچھی طرح واقف تھے۔

اس نے مصریوں کی حمایت میں کئی کتابیں شائع کیں۔ ۱۸۸۱ء میں قاہرہ کے قریب ایک مکان لے کر مستقل سکونت اختیار کر لی اور ایک مصری کی طرح زندگی گزار دی۔ وہ مصریوں ہی کے لباس میں رہتا اور صرف عربی ہی میں گفتگو کیا کرتا تھا۔

اس کی بیوی لیڈی این بلنٹ (Lady Anne Blunt) کو شہ سواری اور سیاحت کے علاوہ علومِ عربیہ میں بہت مہارت حاصل تھی۔ اس کی مطبوعات میں ایک عراق کے متعلق ہے اور ایک نجد کے متعلق۔ اس کے علاوہ معلقات کا انگریزی ترجمہ ہے جسے اس کے شوہر نے بعد میں نظم کا جامہ پہنایا۔

تیسرا سیاح چارلس ڈاؤٹی (Charles Doughty) تھا جو ۱۸۴۳ء سے ۱۹۲۶ء تک زندہ رہا۔

اس کی یاد زیادہ تر صحرائے عرب کے متعلق اس کی غیر فانی کتاب کی وجہ سے تازہ ہے۔ دمشق میں ایک سال رہ کر اس نے عربی کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس تیاری کے بعد وہ تحقیقات کی غرض سے وسطِ عرب کے سفر پر روانہ ہوا۔ اپنے پیشرو سیاحوں کے برخلاف اس نے یہ بُرا سمجھا کہ اپنی قومیّت یا مذہب کو چھپائے۔ وہ جہاں کہیں گیا ایک انگریز اور ایک عیسائی کی حیثیت سے گیا۔ اس غیر معمولی جرأت و دلیری کی وجہ سے اسے اپنے سفر میں کچھ کم مصائب و خطرات پیش نہیں آئے۔ انگلستان واپس آنے کے بعد اس نے ۱۸۷۸ء میں ایک سفر نامہ شائع کیا جو جزیرۃ العرب کے متعلق معلومات کے لحاظ سے اس وقت کا ایک مہتم بالشان کارنامہ تھا۔ اس کا سفر نامہ عرب کے جغرافیہ اور طبقات ارض (جیالوجی) کے بارے میں نئی معلومات کا ایک خزانہ ہے۔ وہ جن لوگوں سے ملا، ان کی زندگی اور عادات اور اطوار کے متعلق اس کے مشاہدات و تجربات کچھ کم مفید نہیں ہیں۔ کوئی بیس برس گزرے "لارنس عرب" (Lawrence of Arabia) کے دیباچے کے ساتھ اس کی کتاب نئی شکل میں شائع ہوئی۔

اب ہم پھر یونیورسٹیوں کے علماء عربی کا ذکر کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل میں علومِ عربیہ کی تحقیقات کا معیار کسی طرح انیسویں صدی کے اچھے سے اچھے زمانے سے پست نہ تھا۔ اسکاٹ لینڈ اور دوسری صوبائی یونیورسٹیوں میں عربی کے نئے شعبے قائم کیے گئے۔ گزشتہ جنگ کے دوران میں لندن یونیورسٹی میں خاص علومِ مشرقیہ کی تعلیم کے لیے ایک نیا کالج کھولا گیا جو ادارہ علومِ مشرقیہ (School of Oriental Studies) کے نام سے مشہور ہے۔

اب ہم جن اہل علم کا ذکر کریں گے وہ اس قدر قریب زمانے کے ہیں کہ آج بھی انگلستان اور مشرق میں ان کے طلبہ اور رفقاء اُنھیں محبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ سر ٹامس آرنلڈ (Sir Thomas Arnold) جس نے ۱۹۳۰ میں انتقال کیا، وہ پہلا شخص تھا جس نے لندن کے ادارہ علومِ مشرقیہ (School of Oriental Studies) میں عربی اور اسلامی علوم کی کرسی کو پروفیسر کی حیثیت سے زینت بخشی، اس نے کیمبرج میں تعلیم پائی تھی اور کئی سال ہندوستان میں فلسفہ کے پروفیسر کی حیثیت سے علی گڑھ کالج میں رہ چکا تھا۔ اس کی سب سے زیادہ مشہور کتاب "دعوت اسلام" (Preaching of Islam) ہے جس میں مذہبِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ ترکی اور اُردو میں بھی ہوا۔ اپنی دوسری کتاب "خلافت" (The Caliphate) میں اس نے خلافت کی ابتداء اور عہد بعہد تاریخ پر قانونی اور فلسفیانہ زاویہٗ نگاہ سے بحث کی ہے۔ اس نے اسلامی فنونِ لطیفہ خصوصاً مصوّری پر کئی تحقیقی رسالے شائع کیے اور اس موضوع پر اپنی زندگی کے کئی سال وقف کر دیے۔ ۱۹۳۰ء میں وہ علمی سیاحت کے سلسلہ میں قاہرہ گیا اور کچھ ہی دنوں بعد انتقال کر گیا۔

دوسرا نامور مستشرق گائی لا اسٹرنج (Guy la Strange) تھا جس نے ۱۹۳۴ء میں وفات پائی۔ اس کی تمام عمر کے کارنامہ کا لبِ لباب اس کے ایک جملہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ "اگر اسلامی تاریخ کو دلچسپ اور صحیح طور پر سمجھنے کے قابل بنانا ہے تو یہ ضروری ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے جغرافیہ پر تاریخی نقطۂ نظر سے کافی تحقیقات کی جائے۔" اس نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ عربی و فارسی کی ان کتابوں کے مطالعہ میں صرف کر دیا جو علمِ جغرافیہ سے متعلق تھیں۔ اس کی تین کتابیں "بغداد: عہدِ خلافتِ عباسیہ میں" (Baghdad during the Abbaside Caliphate)، "فلسطین: مسلمانوں کے عہد میں" (Palestine under the Muslims) اور "خلافتِ مشرقیہ کے ممالک" (The Lands Of the Eastern Caliphate) اپنے اپنے موضوع پر مستند و معیاری کتابیں مانی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ اس نے جغرافیہ کی کئی پرانی کتابیں اور بہت سے تحقیقی رسالے شائع کیے۔ ۱۹۱۲ء سے اس کی بصارت قریب قریب جاتی رہی تھی مگر اس سخت رکاوٹ کے باوجود اس نے اپنا کام بدستور جاری رکھا۔

جس سال لا اسٹرنج (Guy la Strange) کا انتقال ہوا۔ اسی سال کیمبرج کے ایک مشہور ماہر علوم عربیہ اے۔ اے۔ بیون (A. A. Bevan) نے بھی وفات پائی۔ یہ ولیم رائٹ کا شاگرد تھا۔ اس کا خاص کام قدیم عربی شاعری کے متعلق تھا۔ اسی نے "نقائض جریر و فرزدق" کا مستند و معیاری نسخہ ترتیب دے کر شائع کیا۔ ذیل کے واقعہ سے اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ اسے صحت کا کس حد تک خیال رہتا تھا۔ اس کے رفیق ڈاکٹر براؤن (E. G. Browne) نے جو فارسی کے مشہور عالم تھے، بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ بیون (A. A. Bevan) ان سے ملاقات کرنے آئے۔ وہ کچھ ایسے رنجیدہ اور اُداس معلوم ہو رہے تھے کہ براؤن کو یہ خیال گزرا کہ شاید کوئی سخت حادثہ پیش آیا ہے۔ مگر بات اتنی سی تھی کہ نقائض کے اس نسخے میں جسے اس نے خود ترتیب دیا تھا اسے ایک مصرعہ میں عروض کے اعتبار سے کچھ سقم نظر آ رہا تھا۔

اتنا وقت نہیں کہ اس دور کے دوسرے بہت سے اہلِ علم مثلاً ان مستشرقین کے متعلق جیسے سر چارلس لائل (Sir charles Lyall) جس نے "مفضّلیات" کا نسخہ ترتیب دے کر شائع کیا۔ لین پُول (Lane Poole) جس نے اسلامی تاریخ اور سکّوں کے متعلق بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ آمیدروز (Amedroz) جو سوئٹزرلینڈ کا باشندہ تھا اور جس نے بہت سے اہم قدیم تاریخی نسخے شائع کیے اور اس پایہ کے دوسرے بہت سے علماء کے بارے میں کچھ کہا جائے۔ البتہ اس موقع پر ایک فاضل مستشرق کا کچھ نہ کچھ تذکرہ کم از کم اس ایک وجہ سے کسی حد تک ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ابھی اس پُر آشوب زمانے میں چند مہینے ہوئے وفات پائی ہے۔ ڈی - ایس - مارگولیوث (D.S. Margoliouth) آکسفورڈ میں کئی سال تک عربی کا پروفیسر رہا اور عرصہ تک انگلستان میں ماہرینِ

علومِ عربیہ کا امام مانا گیا۔ وہ دمشق کی ایک عربی علمی انجمن کا رکن تھا اور اس کا علم و فضل مشرق میں بہت قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ گو اس نے انگریزی میں اسلامی تاریخ اور مذہبِ اسلام پر متعدّد کتابیں شائع کیں، تاہم اس کا وہ کارنامہ جس کی وجہ سے وہ خصوصیت کے ساتھ یاد کیا جائے گا، عربی ادب کی بہت ہی مشہور اور غیر فانی کتابوں کے تراجم اور نسخوں کی اشاعت ہے۔ غالباً ان میں سب سے زیادہ مشہور یاقوت حموی کی کتاب "معجم الادباء" ہے جسے اس نے نہایت قابلیت کے ساتھ ترتیب دے کر شائع کیا۔ اس کے علاوہ "رسائل ابی العلاء"، "احادیث الطنوخی" اور "تاریخِ مسکویہ" کو اس کی تالیفات میں کافی شہرت حاصل ہے۔

ان لوگوں کے بارے میں جو ابھی بقیدِ حیات ہیں کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ نکلسن (Nicholson)، گب (Gibb)، اسٹوری (storey) اور بہت سے دوسرے فاضل مستشرقین اپنے اپنے مقام پر بہت اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کے کارناموں کا صحیح اندازہ آئندہ نسلیں ہی کر سکیں گی۔ سرِدست اتنی بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ علومِ عربیہ کے متعلق انگلستان کی دو قدیم روایات جن کی صدیوں کی تدریجی تاریخ ہم نے پیش کی ہے، ہنوز بدستور قائم ہیں۔ خدا کرے یہ روایات بڑھتی اور پھیلتی رہیں۔